فرحت قادری: ذات سے کائنات تک کا سفر

ڈاکٹر ابرار احمد اجراوی

پوسٹ اجرا، وایا ریام فیکٹری، ضلع مدھوبنی۔847237 (بہار)، موبائل: 8651708079

شعر و ادب کی کلاسیکی روایات اور جدید اقدار کا مستحکم ستون منہدم ہوگیا۔ ۸۹ سال کی عمر تک شعر وسخن کی خون جگر سے آبیاری کرنے والا فن کار فرحت قادری بھی ۱۰ر دسمبر ۲۰۱۶ء کی صبح رخت سفر باندھ کر عالم بالا کی جانب روانہ ہوگیا۔ فرحت قادری ایک جینوین، ذہین، عبقری اور تخلیقی اہلیت سے معمور تخلیق کار تھے۔ ان کی تخلیقی حسیت کی تشکیل و تجمیل میں عربی فارسی روایت کا اہم کردار تھا۔ انھوں نے تلاش معاش کے پرخار و پیچ دار سفر میں عصری ادارے میں ضرور پڑھا تھا، مگر وہ بنیادی طور پر روایتی طرز کے مدارس کے ساختہ و پرداختہ تھے۔ ان کی مدرسی تعلیم کا آخری پڑاؤ مرکز علم وعرفاں اور گہوارۂ قوم پرستاں ام المدارس دارالعلوم دیوبند تھا۔ مدرسی فضا میں گردش کا ہی نتیجہ تھا کہ انھوں نے کلاسیکی روایات کا تتبع وتفحص کیا، عربی فارسی کی ان صحت منداد بی روایات کو اردو شعر وادب کی خشک زمین میں پیوست وتحلیل کیا جس سے اردو کا لازم وملزوم کا رشتہ رہا ہے۔ اس وابستگی کے باوجود جدید ادبی رجحانات سے ربط وضبط پیدا کرنے میں کسی تکلف وتحفظ کو آڑے نہیں آنے دیا۔ انھیں نثر سے زیادہ شاعری عزیز تھی۔ نثر میں دواوین پر لکھے گئے مقدمات، شعری مجموعوں پر مختصر آرا، سوانحی حالات اور حرف آغاز کے سوا کچھ زیادہ سرمایہ نہیں ملتا مگر ان کی نثر میں بھی کلاسیکیت کا امتزاج ہے اور وہ بھی تخلیقی نثری عناصر اور نثری جمالیات سے معمور ہے۔

فرحت قادری دبستان ابراحسنی گنوری کے ایک اہم رکن تھے۔ انھوں نے اس زمانے میں شعر وشاعری کی، جب ان کے اڑوس پڑوس میں اردو کے قد آور شعرا بساط سخن بچھائے ہوئے تھے، انھیں شعری میدان میں بالشتیوں کا نہیں، دیوزادوں کا سامنا کرنا پڑا، مگر انھوں نے ہجوم دہر میں بھی اپنی شناخت خود بنائی۔ انھوں نے ترقی پسندی کے عروج وزوال کو بھی دیکھا، جدیدیت کے طوفان بلاخیز کا بھی بچشم خود مشاہدہ کیا اور انھیں مابعد جدیدیت کی اٹھان و اڑان سے بھی واسطہ پڑا، انھوں نے سارے مشرقی شعری سلسلوں سے تعارف وتقابل کی حد تک راہ ورسم پیدا تو کی، مگر اپنی شناخت، اپنے ذہنی رویے، اپنی اساس اور اپنے فطری ذوق کو کسی شعری قربان گاہ پر قربان نہیں ہونے دیا کہ وہ ایک فطری صلاحیت کے حامل تخلیق کار و شاعر تھے، انھوں نے اپنی محنت و ریاضت سے شعر وادب کی رومانی دنیا میں وہ مقام پیدا کیا تھا، جس کے لیے دوسرے شعر پسند افراد لاکھوں جتن کرتے ہیں۔ پھر بھی وہ تخلیق کاروں کے انبوہ میں گم ہوجاتے ہیں۔ سچ کہا ہے، بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا۔

فرحت قادری کی شاعری، ان کے متنوع احساسات وتجربات کا آئینہ ہے۔ اس میں سروسوسن اور لالۂ گل کی خوشبو کا بھی ذکر ہے، گل وبلبل اور لب ورخسار کی پاس داری کے جلو میں روایتی شعریات کا بھی صاف عکس ہے، مگر وہ لکیر کے فقیر نہیں، ایک منفرد، ممتاز اور تخلیقیت سے لبریز ذہن ودماغ رکھتے تھے، اس لیے ان کے اشعار میں گہرے ذاتی تجربات کی آنچ ملتی ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں روایات کی پیروی کے ساتھ جدید شعری اقدار کا تتبع بھی کیا۔ انھوں نے پابند غزلوں اور نظموں کے ساتھ رباعیات و قطعات کو بھی شعری جولان گاہ بنایا، ہائیکو، سانیٹ اور آزاد غزل کی فضا میں بھی پرواز کی، مگر ان کی آزاد نظموں کا معاملہ دوسرے شعرا کی آزاد نظموں سے یکسر مختلف ہے کہ انھوں نے بحر وقافیہ سے عاری پیمانۂ شاعری میں بے وقت کا راگ نہیں چھیڑا ہے اور صرف لفظوں اور جملوں سے ملاعبت نہیں کی ہے، آزاد نظمیں بھی ان کی فکری وفنی صلاحیتوں کے لبادے میں غم دوراں کی عکاس ہیں۔ شعری قید وبند سے آزاد ان نظموں میں بھی روانی اور شگفتگی بلا کی ہے۔ انھیں احوال زمانہ پر زبردست گرفت تھی، انھوں نے ٹوٹتے بکھرتے رشتوں، بدلتی سماجی اقدار، سیاسی نشیب وفراز اور غربت و پسماندگی کے طوفان کا بھی مشاہدہ کیا، تقسیم وطن کے بعد مخصوص طبقہ پر ٹوٹنے والی مصیبتوں اور کلفتوں کو بھی برتا، اس لیے ان کے اشعار میں حقائق وواردات قلب کا تلخ بیان ملتا ہے، مگر اس تلخ بیانی میں بھی شعری اصول و اقدار کی صحت پر کہیں اثر نہیں پڑتا۔ انھوں نے سماجی وسیاسی مسائل کی کربناکیوں کے اظہار میں بھی غزل کی بنیادی خوبی تغزل کو مجروح یا متروک نہیں ہونے دیا ہے۔ ان اشعار میں معاصر حالات کی کرب ناکی کے ساتھ شاعر کا درد، تڑپ، التہاب و اضطراب اور اور اس کا شعلہ بکف احتجاجی رویہ بھی بین السطور سے جھانک رہا ہے۔

جھونپڑی میں جانے کب لگ جائے آگ
اوڑھ کر سو جاؤ ٹھنڈی چاندنی

میں قتل گاہ سے ہوکر یہاں تک آیا ہوں
مجھے حیات کا مطلب نہ کوئی سمجھائے

رشتوں کی شاخ پہ اب کانٹے ہی اگ رہے ہیں
مسموم ہوگئی ہے آنگن کی اب ہوا بھی

زندگی پر سب سے اچھا تبصرہ
شاخ سے اڑ کر پرندہ کرگیا

بھیک لیتا ہے روز سورج سے
چاند بھی کاسۂ گدائی ہے

لمحوں کے تعاقب میں ہر در سے گزرتی ہے
یہ گردش دوراں بھی کشکول گدا ٹھہری

ان اشعار میں جھونپڑی، چاندنی، قتل گاہ، آنگن کی ہوا، کاسۂ گدائی، گردش دوراں اور کشکول گدائی وغیرہ نرے الفاظ وحروف کا مجموعہ نہیں، بلکہ یہ ایک استعارہ ہیں، تمثیل ہیں، یہ الفاظ ومرکبات غزل کے رمز واشاریت کی معراج ہیں، جس کے جلو میں پوری تاریخ، حالات کا منظر وپس منظر اور غم کائنات کا پورا واقعہ وسانحہ سمٹ گیا ہے۔ یہ عام قسم کے الفاظ نہیں، بلکہ یہ خاص واقعات ووارادات کا اشاریہ ہیں۔ بڑی شاعری وہی کہلاتی ہے کہ جس میں سادہ وسہل الفاظ کے پردے میں بڑے اور اعلیٰ درجے کے مضامین کا نگارخانہ سجادیا جائے۔ فرحت قادری کا یہی امتیاز تھا۔

فرحت نے ردیف وقافیہ اور بحروزن جیسے شعری مسلمات کا احترام والتزام کرنے کے ساتھ شعری پابندیوں سے احتراز بھی کیا۔ انھوں نے کلاسیکی اقدار کو گلے سے لگایا، مگر نئی شعری نمود سے پلہ بھی نہیں جھاڑا کہ قدیم وجدید کے امتزاج واشتراک سے ہی اعلیٰ اور معیاری شاعری جنم لیتی ہے۔ ان کے درجن بھر شعری مجموعوں میں مضامین وتراکیب اور استعارات وتشبیہات اور لفظیات وتلمیحات کی سطح پر یہی بوقلمونی قاری سے روبرو ہوتی ہے۔ پروفیسر وہاب اشرفی نے ۱۹۸۳ء میں ان کی شاعری سے جو نتائج اخذ کیے تھے، اسی کو انھوں نے ۲۰۰۰ء میں شائع ہونے والی اپنی کتاب تاریخ ادب اردو میں باقی رکھا ہے، اس لیے انھوں نے فرحت قادری کو صرف کلاسیکی شعری روایات کا مقلد قرار دے دیا ہے، دانستہ انھیں روایت کے حصار میں محصور کرنا چاہا ہے۔ حالاں کہ انھوں نے قدیم وجدید اور روایت وجدیدیت دونوں کو مصافحہ ومعانقہ کرایا ہے۔ وہاب اشرفی لکھتے ہیں:

''محسوس ہوتا ہے فرحت قادری کا حساس اور ملتہب دل باغی نہیں ہے۔ انحراف کی ٹیڑھی میڑھی لکیر کھینچنے پر آمادہ نظر نہیں آتا۔ اسی لیے ان کی دنیا جانی پہچانی ہے، اس کی فضا اجنبی اور نامانوس نہیں، لیکن یہ جانی پہچانی دنیا اور اس کی مانوس فضا بھی ایک جنت نگاہ ہے اور اپنے اندر نظارے کے کتنے ہی سامان رکھتی ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کا جواب بس یہی کہ فرحت کا دل ایک سچے شاعر کا دل ہے، حساس اور ملتہب۔ جب یہ روایت کو برتتا ہے تو اس میں التہاب کی کیفیت ایک ناگزیر صفت بن کر ابھرتی ہے۔ تاثر کی شعلگی ہمارے شعور و ادراک کو مہمیز لگاتی ہے اور شاعر کے ساتھ قاری کی قوت متخیلہ بیدار ہوکر ہم آہنگ ہوجاتی ہے۔ اس طرح کلاسیکی شاعری کی روایت میں فرحت کی ایک مخصوص جگہ متعین ہوجاتی ہے۔''

(تاریخ ادب اردو، ج:۳، ص:۱۲۶۸، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی)

فرحت قادری اصل میں غزل کے شاعر تھے، مگر انھوں نے کام یاب نظمیں بھی کہیں، حمد ونعت کی متبرک ومقدس دنیا میں بھی اپنی شناخت قائم کی۔ ان کا امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے غزل کے مختصر پیمانے میں زندگی اور کائنات کے جن رموز سے پردہ اٹھایا ہے، جس طرح غزل کی زمین پر نئی نئی تراکیب اور نادر مضامین کی شجرکاری کی ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی فکر اور ان کی قوت متخیلہ کسی حصار میں محدود نہیں تھی۔ انھوں نے ذات سے لے کر کائنات تک کا سفر اسی عمل کی ہمراہی میں طے کیا اور سارے غم زمانہ کو غزل کے چھوٹے سے سانچے میں ڈھال دیا۔

فرحت قادری کا ذہن نئی فضا میں گردش کرنے کا عادی تھا۔ اس کو بندھی ٹکی یا فرسودہ راہ کا مسافر بننا گوارا نہیں تھا۔ وہ اجنبی اور نامانوس فضا میں انس وآشنائی کا جہان تعمیر کرنا چاہتے تھے۔ ان اشعار سے منشرح ہوگا کہ شاعر کا ذہن کہاں کہاں کی خاک چھانتا ہے۔ لوگ نثر میں غزل کی تعریف کرتے ہیں، اس کے خصائص اور امتیازات شمار کراتے ہیں، پھر بھی وہ تعریف تشنگی کا شکار رہتی ہے اور کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے کا راگ الاپتی رہتی ہے، مگر فرحت نے غزل کے پیمانے میں غزل کی جو تعریف کی ہے، تعجب ہوتا ہے کہ منظوم تعریف بھی اتنی جامع ہوسکتی ہے۔ انھوں نے غزل کی ردیف میں غزل کی پوری روح سمادی ہے۔ اسی سے ان کے ذہنی انحراف اور روایت سے بغاوت کا پتہ بھی چلتا ہے۔ دیکھیے یہ تین اشعار:

غزل برائے غزل کا زمانہ بیت گیا
غم حیات کی منزل پہ آرہی ہے غزل

بدل دیا روش عام نے مزاج اس کا
ترانہ غم دوراں سنا رہی ہے غزل

ردیف و قافیہ بحریں سب اس کے زیور ہیں
انھیں کے دم سے حسیں اور ماہ رو ہے غزل

فرحت قادری کلی طور پر کسی تحریک یا ازم کے علم بردار نہیں تھے، مگر انھوں نے اپنے عہد میں جنم لینے والے ہر رجحان اور ہر تحریک سے جزوی اثر قبول کیا۔ اعتدال کا دامن کہیں نہیں چھوڑا کہ جینوین شاعر تحریکی وابستگی سے بے نیاز ہوتا ہے۔ ایک انٹرویو میں اپنی شاعری کے مختلف مرحلوں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں:

''میں اپنی تحریر کی مرکزیت پر صرف اتنا کہوں گا کہ میں اپنی شاعری کے طویل سفر میں تین قسم کے رجحانات سے دوچار ہوا ہوں۔ روایتی، ترقی پسندی اور جدیدیت، لیکن میں ہمیشہ اعتدال پسند رہا اور افراط وتفریط سے احتراز کرتا رہا۔ میں نے ادب کے ہر رجحان سے صرف انہیں باتوں کی خوشہ چینی کی جو مہذب، خوب صورت اور کارآمد تھیں۔ میں نے جب روایتی شاعری کی تو اسے پھکڑ پن اور غیر سنجیدگی سے دور رکھا، مجھ پر ترقی پسندوں کا بھی کچھ اثر پڑا مگر ان کی طرح نعرہ بازی نہیں کی اور نہ کسی سیاسی تحریک کا پرچار کیا۔ پھر جدیدیت کے مثبت رجحان کو میں نے اپنی شاعری میں جگہ دی، لیکن مہمل گوئی اور لفظی قلابازیوں سے خود کو محفوظ رکھا۔''

(خصوصی گوشہ روزنامہ پندار، پٹنہ، ۱۶؍دسمبر ۲۰۱۶ء)

فرحت ترقی پسند نہیں تھے مگر ترقی پسندانہ نظریات ظلم وستم کے خلاف احتجاج اور غریبوں مزدوروں کی حمایت سے کلی اتفاق رکھتے تھے۔ انھوں نے ترقی پسند نظریات سے متاثر ہو کر کئی غزلیں اور نظمیں کہیں۔ وہ بذات خود ترقی پسند شعرا کے انسانیت نواز اور غریب پرور نظریات اور ان کی احتجاجی شاعری سے کافی متاثر تھے۔ خاص طور پر انھوں نے ترقی پسندوں کے میر فیض احمد فیض کی عصری حسیت اور ان کی مدھم احتجاجی لو سے، جو قاری وسامع کے دروں میں چنگاری کی طرح سلگتی تھی، بہت اثر قبول کیا ہے۔ ان کی نظموں میں احتجاج اور مزاحمت کی لے دو آتشہ ہے، مگر احتجاج کی آگ میں شعری مطالبات اور فنی تقاضوں کو نہیں جھونکا ہے۔ ہر جگہ شعری اصول واقدار اور غزل کی رمزیت واشاریت کے دامن کو مجروح ہونے سے بچایا ہے۔ دیکھیے یہ اشعار:

شعلے تمام برف میں تحلیل ہوگئے
آئی ہے ایک یہ بھی خبر ویتنام سے

زنجیریں نہ ٹوٹیں گی دروازے نہ وا ہوں گے
جب تک نہ صداؤں کی ہلچل پس زنداں ہو

اس عہد سلاسل میں حساس ہیں ہم کتنے
کٹتا ہے اگر اک سر، اٹھتے ہیں قلم کتنے

فرحت قادری کی آزاد نظمیں بھی بڑی معنی خیز اور پرکیف ہیں۔ ایک تسلسل اور فنی روانی کے ساتھ انھوں نے آزاد نظمیں کہی ہیں۔ یہ آزاد نظمیں جبر وتشدد کے خلاف احتجاج واضطراب کا منشور واعلامیہ ہیں۔ ان کا احتجاجی رنگ یہیں زیادہ کھلا ہے۔ کرنیں، پتھر، محاسبہ پچاس برسوں کا، آدمی اور مشین، سناٹا، شاید، تتلیاں اور چنگاریاں، سازش، قدغن، فاقہ، فریب، بس ایک سورج وغیرہ ایسی آزاد نظمیں ہیں جن میں کہیں علانیہ تو کہیں استعارہ و تشبیہ کے پیرایے میں حالات کے جبر وستم پر سخت تنقید کی ہے۔ آزاد نظم پتھر کے یہ اختتامیہ مصرعے ہمیں دعوت فکر دیتے ہیں کہ دیوتا اور انسان دونوں بے حس وحرکت خاموشی کی تصویر بنے ہوئے ہیں:

آدمی بھی پتھر ہیں
دیوتا بھی پتھر ہیں

فرحت قادری نے جدیدیت کے لایعنی، معاشرہ بیزار، مبہم ومجہول عہد کو بھی دیکھا۔ معاصر شعرا اور ان کے دوسرے احباب جدیدیت کے طوفان میں بہ گئے اور ایسے مضامین رقم کرنے لگے جن کا زندگی، کائنات، تجربات اور محسوسات کی دنیا سے کوئی ربط وعلاقہ نہ تھا۔ فرحت قادری اپنی کج کلاہی پر یہاں بھی قائم ودائم رہے۔ وہ جدیدیت کے مفید اور صالح وصحت مند عناصر کو تو قبول کرتے رہے، مگر اعتدال وتوازن کا دامن تھامے ہوئے کلاسیکی شعری اقدار کو بھی اپنے دامن شاعری سے وابستہ کیے رہے۔ دوست احباب نے ان کا مضحکہ اڑایا کہ فرحت اس میدان میں اس لیے طبع آزمائی نہیں کرتا کہ وہ اس قسم کی شاعری کرنے سے عاجز وقاصر ہے۔ فرحت تخلیقیت اور شعریت سے معمور ذہن کے مالک تھے، انھیں یہ بات زیروزبر کر گئی، وہ جدیدیت کو برا بھلا تو نہیں کہتے تھے، مگر انھوں نے اپنی شاعری میں ذرا لچک پیدا کر کے ایسی غزلیں بھی لکھیں کہ جدیدیت کے نرے پیروکار بھی داد دینے پر مجبور ہوئے اور وہ ساری غزلیں شب خون میں بھی شائع ہوئیں۔ ان اشعار میں جدیدیت کی بے چہرگی، اجنبیت، افسردگی اور دوسرے خصائص پوری طرح سما گئے ہیں۔

پڑتی نہیں کسی کی اچٹتی نگاہ بھی
میں شہر میں ہوں گم شدہ سامان کی طرح

اپنا ہی گھر ہے، اپنے ہی سب لوگ مگر
ہر شخص مجھ سے ملتا ہے انجان کی طرح

فرحت قادری نے زبان وبیان کی لطافتوں اور نزاکتوں کا پورا خیال رکھا ہے۔ انھوں نے زبان وبیان کی جمالیات اور عروضی وفنی رموز اور شعری تقاضوں کو نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا ہے۔ مضامین ومشمولات کی صفائی وسادگی بھی ان کا خاص وصف شاعری رہا ہے۔ انھوں نے صالح اور صحت مند مضامین پر ہی اپنی شعری دنیا کی عمارت تعمیر کی ہے۔ وہ تخریب و

تنقیص کی نہیں، تعمیر اور اصلاح کی شاعری کرتے ہیں۔ بہت سے شعرا نعرہ زدگی اور جوش انقلاب میں فن کی جمالیات کے حصار کو توڑ گئے ہیں، مگر فرحت کے یہاں جوش بیان اور اصلاح کی بازگشت میں بھی زبان کی جمالیات اور مضامین کی انبساطی کیفیت منعکس رہتی ہے۔ جوش انقلاب میں زبان و بیان کہیں مشلہ ہوتا یا بگڑتا نہیں ہے۔ زبان و بیان کی صفائی و سادگی کا ہی نتیجہ ہے کہ دوسرے ہم عصر شعرا کی طرح، انھیں ترسیل و ابلاغ کی ناکامی کے المیہ سے دوچار نہیں ہونا پڑتا۔ پروفیسر عنوان چشتی نے لکھا ہے:

''جہاں تک ان کی شاعری کی معنوی سطح کا تعلق ہے وہ بھی خاصی بلند ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں مخرب اخلاق اور فحش و رکیک افکار و جذبات سے گریز کیا ہے۔ فرحت قادری نے سنجیدہ افکار و خیالات اور بہترین سماجی اور تہذیبی اقدار کو اپنی شاعری میں پیش کیا ہے اس لیے ان کی شاعری میں اظہار کی سطح پر بھی اور معنویت کی سطح پر بھی ایک مانوس فضا کا احساس ہوتا ہے۔''

فرحت قادری موزوں طبع شخص تھے، وہ شعر و شاعری کی دنیا کے باسی تھے، انھیں تنقید سے زیادہ دل چسپی تو نہ تھی۔ مگر ان کی تنقیدی رائے بھی بڑی متوازن اور مدلل و باوزن ہوتی تھی۔ موجودہ عہد کے نئے طرز و انداز کے جواں سال شاعر کلیم اختر کے شعری مجموعے ''تشکیلات'' پر ان کی رائے کے یہ جملے ایک پختہ کار اور منجھے ہوئے ناقد شعر و فن سے کسی درجہ کم نہیں ہیں۔ لکھتے ہیں:

''ابتدا میں میری سوچ یہ تھی کہ ''نئی تشکیلات'' کیا بلا ہے، لیکن کلیم اختر کے لسانی اختراعات سے نہ صرف متاثر ہوں بلکہ مجھے فخر ہے کہ وہ ہفتاب، قوساب، تلخاب، شورستان، تلخایا، خیالزرا، غمساز، گناہیت، گلاانسو، گلاتش، زہریز اور طلسمریز جیسی لفظیات کے موجد ہیں۔ گویا کلیم اختر نئی تشکیلات کے لیے روایت سے بغاوت کررہے ہیں اور خود اپنے اسلوب کے پروردگار ہیں۔''

فرحت قادری نے اپنی غزلوں اور نظموں میں عربی فارسی کے ثقیل الفاظ کے استعمال سے عمداً انحراف و اجتناب کیا ہے۔ ہندی کے ان نرم کومل اور آسان الفاظ کو زیادہ استعمال کیا ہے، جو عام بول چال کی زبان اور ہماری سائیکی کا حصہ ہیں۔ وہ چاہتے تو اپنے بنیادی تعلیمی پس منظر کے سبب عربی فارسی کے ادق اور مشکل الفاظ کا استعمال کر کے فلسفیانہ طرز اظہار کو اپنا شعری شناخت نامہ قرار دے سکتے تھے، مگر انھوں نے سبک ہندی کے الفاظ کو استعمال کر کے اس شعری روایت کو بڑھایا ہے، جس کو آگے چل کر شعری دنیا میں استحکام، عروج اور فروغ حاصل ہوا۔ انھوں نے ہندی کے عام فہم الفاظ پر مشتمل ایک غزل گنگا جمنی غزل بھی لکھی، جو ان کی ہندوستان اور ہندوستانیت سے دوستی، مشترکہ گنگا جمنی تہذیبی اقدار میں یقین اور جذبۂ حب الوطنی و قوم پرستی کا پتہ دیتی ہے۔ درپن، وشواس، کومل، آشا، مدھوبن، کلپنا، شیتل، برہن، سمئے، راج سنگھاسن، پیڑا، چلن یہ سارے الفاظ ان کی غزل میں مستعمل ہیں۔

فرحت قادری بے پناہ تخلیقی صلاحیتوں کے حامل شاعر تھے۔ انھوں نے ہر صنف شاعری کے چمنستان میں اپنے ذہن و فن کی گل کاری کی۔ کلاسیکیت اور جدیدیت کو ہم آمیز کیا۔ حمد، نعت، مراثی، قطعات کو بھی انھوں نے موضوعات کی جستجو کا سفر کرنا سکھایا اور انھیں کلاسیک و جدید اقدار کا حامل بنایا۔ ان کے الفاظ اور مضامین کی بھی تحدید نہیں۔ حمد و نعت سے لے کر قومی، وطنی اور عشقیہ مضامین کو بھی سلیقہ سے پیش کیا ہے۔ ان کی لفظیات و تراکیب زیادہ جدت آمیز تو نہیں، وہی قدیم اور کلاسیکی تراکیب، وہی قدما اور پیش رو کے مستعمل الفاظ و تراکیب، مگر انھی قدیم الفاظ و مرکبات کو انھوں نے معانی و مفاہیم کا نیا پیرہن عطا کیا ہے۔ فرحت کے یہاں فیض کی شاعری اور ان کے الفاظ سے تأثر نمایاں ہے، مگر صحیح بات یہ ہے کہ وہ کسی کے مقلد اور پیرو نہیں۔ ان کی شعری دنیا خود انھی کے خون جگر سے سینچی ہوئی ہے۔ ان کے مضامین میں یکسانیت کا گمان نہیں گزرتا۔ ان کے افکار و اسالیب کی دنیا نئی اور نادر الوجود ہے۔ درجن بھر سے زائد شعری مجموعوں میں الفاظ و معانی کی وہ طلسماتی دنیا آباد ہے جہاں پہنچ کر قاری محو حیرت رہ جاتا ہے، مگر حیرت ہے کہ گلوبلائزیشن کے اس عہد میں بھی انھیں ناقدین کی نگاہ میں وہ پذیرائی نہ مل سکی جس کے وہ مستحق تھے۔ جب شعر و شاعری کا یہ آفتاب عالم تاب بہار کے مشہور تاریخی ضلع گیا کے افق میں غروب ہوا تو سوشل میڈیا کے عہد میں بھی بہت سوں کو اس حادثۂ جاں کاہ کی خبر بھی کئی دن بعد ملی، ہمارا ادبی حلقہ تو اور لاعلمی کا شکار رہا اور جنھیں دیر سویر خبر ملی وہ اس پر رسمی تعزیتی کلمات کے سوا کچھ نہ کہہ سکے۔ اگر فرحت قادری جیسا شاعر بھی تنقید کی نگہ تنگ میں قابل اعتبار نہ ٹھہرے اور ان کی تخلیقی قوت کا کسی کو احساس نہ ہو تو اس سے بڑا اور کوئی دوسرا ادبی دنیا کا المیہ نہیں ہوسکتا۔ ان کی زندگی میں ان کی شخصیت اور شاعری سے متعلق مختلف قلم کاروں کے تأثراتی مضامین پر مشتمل ایک کتاب (فرحت قادری: فن اور فنکار) ضرور شائع ہوئی، مگر اتنے بڑے قد و قامت والے دبستانی حیثیت کے حامل شاعر کے وہ شایان شان نہیں۔ ان کی شاعری اور ان کے فکری و فنی سروکار اور ان کی لفظی جمالیات کو نئے سرے سے مطالعہ کا مرکز بنانے اور اس کا غیر جانب دارنہ ادبی تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے۔ صرف تأثراتی مضامین کا مجموعہ ترتیب دینے سے اس جینوین شاعر کا ادبی برادری پر واجب الادا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ منظم طور پر کام کرنے اور انھیں بہار کے شعری حدود سے نکال کر قومی اور عالمی سطح پر متعارف کرانے کی ضرورت ہے۔

◆◆◆